

جی۔ اندرا آجائیے۔ می بلا رہی ہیں:

تم مجھے اپنے ساتھ دڑا نگ رومن میں لے گئیں۔ یہ بیچک یاد یا ان خانہ کم تھا اور میجر انہیں کے شکار کئے ہوئے شیر پیسیتے، بارہ نگھوں کا عجائب گھر زیارتہ تھا۔ صوفیوں پر ہر فوں کی ملائم لگدم گوں کھالیں پڑتی تھیں۔ آتش دان کے پاس دو چیتے مع پسند چار بڑے بڑے خونخوار دانوں اور زارنجی آنکھوں کے سراحتکئے نیشنے تھے۔ کارنس پر بارہ نگھے ٹھکے تھے۔ ان کے سینگ اخوٹ کی کھڑی کے بنے نظراتے تھے۔ جا بجا ہاتھی دانت اور پیتل کا آرائشی سامان بجا تھا۔ سارے کرے میں ملکے ہوئے چڑے کی دمک تھی۔ تم مجھے کمرے میں بھاتے ہی پھر جاگ گئیں۔ غاباً میں ہمارے رہی پھانڈ نے کے شغل میں مغل ہوا تھا۔

تماری می چند لمحے بعد تشریف لائیں۔

وہ پہلے سے بہت زیادہ موٹی اور سانوںی ہو چکی تھیں۔ ساتھ ہی انہوں نے نمایت دہشت انگریز فسم کی گلابی پپٹک بمقدار و افراس تعامل کر کرچی تھی۔ بغیر آستینوں کے بلاوز اور بڑے بڑے پھولوں والی واشن اینڈ دیر قسم کی ساری ٹھیکانے وہ مجھے لپنے اپنی کا بہوت نظر آئیں۔
ہمیں اصف — بھٹی بیٹھو بیٹھو — ہم تو کوچھ ہے تھے کہ تمہیں ڈھونڈنے کی لگائیں گے ایک دن، لیکن اقبال کو تو ہمارے شکار کے اور کچھ سو جھاتی ہی نہیں — زری —
زری ڈار نگ —

”مجھے ابھی مال پر رانا حمیدل گیا۔ اس سے پہنچ چلا کہ اقبال کی بتیلی لاہور ہو گئی ہے۔ بڑی مشکل سے گھر تماش کیا۔ اس نے تو گلوب مینا کی طرف کوئی بتابی تھی۔ آپ لوگ تو صدر بازار کی طرف رہتے ہیں۔“

”رانا حمید وہی آئتے تھے لیکن وہ کوئی مجھے پسند نہیں آئی تھی۔ پافی کا پارا بلم تھا غسلہ انہوں میں سے تکچھے نکلتے تھے۔ رات کے وقت بڑی سیلین زماں کر قصہ تھی۔ سارے قلیں خلا۔ ہو گئے دہان — آپ انہیں سین سین گارڈ انٹرنس میں ہی بیٹاں — زری —

زدی ڈارنگ۔ یہاں آؤ۔ انکل آئے ہیں۔"

"جی ہاں۔ ابھی نہ کتو ان جی لوگوں کے ساتھ دانہ پانی بندھا ہے۔"

"شادی — ہو گئی کہ ابھی تھے؟"

"ابھی نہ نہیں۔"

تمہاری می گھر لی میں جا گھر دی ہو گئیں اور تمہیں آواز دینے لگیں۔ تمہاری متی ایک زمانے میں
بڑی خوبصورت ہو رہیں ہیں۔ نہک کی کان تھیں نقشہ اور جسم ایسا تھا کہ مارنے میں
میں ان کا چرچا ہوتا تھا۔ اب وہ ایک بے جان نزدیک طرح سلنے کھودی کسی ایگلو اور ہر ٹھیک
کی طرح تمہیں بلارہی تھیں۔

تم آکر پر دوں کے پاس رک گئیں۔

"آجا ڈری ڈارنگ — انکل آصف، میں۔ تم ان سے اپنا BOOTIES پہن کر قی

تھیں۔ پہنچی کے دن بھی خوب تھے۔ ہے ناًاصف۔ یہ کیا دلیں۔"

"جی ہاں۔ ویسی بے تکلفی کا دور پھر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ یورپ میں بھی نہیں۔"

"کیسا ابخواست کرتے تھے تم سب — یاد ہے اسٹ؟ وہ مری کی پنک یا ہے

تمہیں جسی روز ری لقری با مری چلی تھی۔"

"میری بے دوقونی تھی۔ میں نے تجربے کے لئے پر پانی میں آتا دیا تھا۔"

میں کبھی کبھی کر کے ہنسنے لگیں۔

"زدی ڈارنگ۔ انکل کو کافی تو پلاو۔ یہ کیا بھوک کی طرح پر دہ کیوڈ کر کھڑی ہو۔ جاؤ بیٹھے!"

تم پھر جاگ گئیں اور تمہاری می مجھے پرانے دن کے والٹیاں دلانے لگیں۔ ایسے واقعات جو

بخارہ کم دونوں کے رشتے بالکل غیر ایام تھے۔

یہ میری تمہاری پہلی ملاقات تھی۔ اسی ملاقات میں کیوڈ دی تکنے تمہیں منتخب کر کے تمہاری

دوستار بندی کر دی۔ تمہارے لئے یہ ملاقات حری جاں تھی۔ اسی ملاقات کو تمہرے ہمراہ بڑی انگوٹھی

کی طرح بار بار پر کھا۔ ہر سوت سے دیکھد قریب سے دور سے۔ اس کی چک میں تمیں حنک
کے سارے رنگ نظر آنے لگے۔ تمہارے لاکپن کی فضیل میں یہ پہلی دلائر تھی۔ اس ملاقات کے
بعد جب بھی میں تمہاری بلافت گیا تمہاری خوشی دیکھ کر مجھے ایکدن بھی شہادت نہ مگیر کیونکہ میں
تو تمیں لپنے ہاتھوں جو تے پہنچا تھا تسلیمیں سائیکل کی سیر کرانا اور تمہاری چوٹیوں میں بین ڈان
بغول تمہاری نمی کے ایک زمانے میں میرا محبوب مشغول رہا تھا۔ میں تمہاری خوشی کی اصل وجہ
کبھی بھی جان نہ پاتا۔ اگر اپاہک ایکدن تم سے ڈرامائی ملاقات نہ ہو جاتی۔

اقبال گھر پر نہیں تھا۔ تمہاری نمی اپنی کسی دوست کے ساتھ شاپنگ کوئی ہوئی تھیں تم
اپنی گیتوں کی کاپی لئے اکبی آشنازی کے پاس بیٹھتے تھیں۔

”ڈیڑی کہاں میں بے بی؟“

”مرغابیوں کے شکار پہنچتے ہیں جی۔“ — ”تم نے یکم کاپی کو پشت کی جانب چھپایا۔

”اوہ نمی کہاں میں بے بی؟“

”آپر گھر مجھے بے بی نہ کما کریں۔“

”کیوں؟“

”تم نے پیچھے ہستے ہوئے کہا۔“ — ”کیونکہ جی۔“ — ”بس جی۔“

”آپ مجھے بے بی نہ کما کریں۔“

حکمت علی کے خلاف جو حرکت بھروسے اسوقت ہوئی وہ ناقابلِ معافی ہے۔ میں نے تمیں

قداً در پکھ جو کہ تمہارا بازو پکڑا اور صوفی پر اپنے پاس بھٹایا۔

”پتہ ہے تم بہت تنگ کیا کرتی تھیں پٹھی میں۔ کیا بات ہے ذری! تم کا نپ کیوں سے

”مرہی ہو؟“

میرا بازو تمہارے کندھوں کے گرد حائل تھا اور تم ذری ہوئی کبوتری کی طرح روز روپی تھیں۔

”کیا بات ہے ذری! بنجارت تو نہیں گئیں۔“ — ”میں نے انگریزی میں محوال کیا۔“

تم خاموش رہیں۔

”تم شیک تو ہو نہ ری؟“

تم نے لشکن کی کوشش کی تو تمہارے ہاتھ سے گئیوں کی کاپی پھسل کر قالین پر جا گئی۔ را نکلے چیت سے ایک فٹ اوہر۔ میں نے اسے ہرگز مکھونے اور پڑھنے کی نیت سے نہ احتیاچا۔ لیکن کاپی کچھ اس انداز سے گری کہ پہلے صفحہ پر بنا ہوا پان کے پتے جیسا دل جگر جگہتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں نے جھک کر اس دل کو اٹھایا۔ دل کے وسط میں ایک بیساکتیر مکھنا تھا جس سے آنسوؤں کی لڑی ٹوٹ کر صفحہ پر مکبری پڑی تھی۔ اور انگریزی میں رقم تھا — ”الفہرست کے ٹھنڈے پیولوں کا حاشیہ۔“ اس تصویر کے گرد ارغوانی آسمانی پیولوں کی جدول بنی تھی — ہائی سفرا

تم خوفزدہ کھڑی تھیں اور میں احمد پن سے بار بار پوچھ رہتا ہے: یہ الف سے کس کا نام شروع ہوتا ہے زری ڈار لگک۔

تم نے منہ پہنچ لیا اور آہستہ سے بولیں۔ ”اسے نہ دیکھنے پڑیز۔ پڑیز۔“ میں نے صفحوں کو روٹی بے دردی سے اللٹا شروع کر دیا۔ نبے وقوف۔ انکل سے شرا یا نہیں کرتے۔ انکل تو رازدار ہوتے ہیں الٹا۔ ہم کوئی میں کہتا نہیں گے تھوڑا ہی۔“ تمہاری کچلا فی انکھوں میں آنسوؤں کا تمر اصلنے لگا۔ میں نے اس کو اپنی بے وقوفی سے دھجوا اور کاپی کو بی لوچ جھاتے دیکھنے لگا۔ یہ تو ایک کھلی بن تھا جسیں میں شرم و حیا والے ہاتھی رہتے تھے۔ دنیا سے چپ کر جنت کرتے تھے اور اس محبت کو سب سے چھپائے رکھتے تھے۔ سارے گیت انگریزی ہیں تھے۔ ہر گیت کے اوپر ایک ہی جملہ لکھا تھا:

”الفہرست مخاطب ہو کر۔“

پڑیز۔ میری سونگھ جب دالپس کر دیجئے۔ پڑیز۔“

اگر مجھے مل جو بھر کیجئے مجھی احسان ہوتا کہ میرزا! الفہرست شروع ہوتے تو شاید میں بہت

جلد تماری کتاب دنما کر گھوڑل دیتا لیکن میں تو پورے دو سیٹ ٹینس کے کمیل کر آ رہا تھا میرا سارا دجود پیش کھائی گیند کی طرح کھلند رہا ہوا تھا۔

پلیز —

کیکم میری انگاہ ایک صفحے پر رک گئی۔ او پر بار بار لکھا تھا۔ شاید کبھی — شاید کبھی۔
شیخ کو نوٹ مار کر غصہ لکھائی میں نظم مرقوم تھی۔

الف — شاید کبھی تمہیں میرا خیال آئے

تھاٹی میں

شاید جس کا اجع تمہیں انتظار ہے وہ بے وفا نکلے

شاید!

تم آہیں بھرو اور دست بدعاہر ہو

بیسے لئے — شاید

کون جانے میں بوٹ کر آ بھی سکوں؟

نظم نے مجھ سے بسوی مار کر ساری ہوا نکال دی۔

”یہ الف کون ہے زری — کون ہے یہ؟“

لیکن تمارے چہرے پر موٹے موٹے اشتو برسی ہے تھے۔ فلمی آنسو نہیں بلکہ وہ آنسو جو بڑی شدت سے حلق میں بھی اتنا کرتے ہیں۔

”آئی ایم سوری بے بنی ڈار انگ خدا قسم — لو اپنی سورنگ ملک۔ یہ لو میں تمارا نہیں جانا چاہتا — پلیز بے بنی!“

میں نے تمہیں چپ کرنے کی نیت سے تمara سراپنے سینے سے لگایا۔ اگر چاندیہ زندہ ہوتا تو وہ دست بستہ عرض کرتا کہ نمارا جا! ایسی کتنا کو سینے سے لگانا حکمت علی کے خلاف ہے۔ یہ صراحت پر کی سروپ نکھلہ ہے۔ کام نیکی کی بانی پر نگہ پیر آنزوں والی۔ ایسی کتنا کی ناک اذل تو ہوتی

ہی نہیں اور جو باقی رہ بھی جائے تو اسے کاٹ لینا ہی بہتر ہے جملت علی کی دوسری غلطی کر کچنے کے بعد ۔۔۔ بہت بعد میں مجھے احساس ہوا کہ اگر مجھے انتہ کا نام نہ معلوم ہوتا تو اس میں ہم دونوں کی بہتری ہوتی۔

اس ولائقے کے بعد کئی روز تک میں تمارے گھر زیگا۔ دل میں ایک ابنا ناسا خوف تھا دل کو بنخراہ اس خوف کی کوئی وجہ نہ تھی رتم نے اپنے مزے کچورہ کما تھا لیکن میرے دل کی میل پر نظر پر مسلسل یہ خبر پہنچ پڑی تھی کہ حذر کرو ۔۔۔ ۔۔۔ پنچ جاؤ۔ آگے خلاڑ ہے۔ زیر و لاٹھ ہے۔ یہ بھگر بیک پسپنی کے میلخ زکھیشے بارو دھالنے سے کم نہیں۔ تمara کارڈ مکمل نہیں VACCINATION حذر کرو ۔۔۔ ۔۔۔ پنچ جاؤ۔

جب سے یہ پر ہر دل کو گاتھایا میں نے چھاؤنی کا رخ کرنا ہی پھر ڈیا تھا۔ اچانک ایک دن مجھے دفتر میں اقبال کا فون آگیا۔

"ابھی اسی وقت گھر پہنچو۔ میں چوتھا سان سے تین چیل اور دو ہر فوت میں مار لایا ہوں۔" میں نے کام کا عذر رپیش کرنا پڑا ہا تو یہ بھرنے والی دی ۔۔۔ "سن، اگر آدھ گھنٹے میں نہ پہنچ تو تم ہو ڈیں لیئے آجائیں گے۔" خدا حافظ۔

پیشہ زادی کے کہ میں کوئی معمول بہانہ نہ اٹھا سکتا فون ادھر سے بند ہو گیا۔ میں عجیب گھولی میں پڑ گیا۔ نہ تو جانے پڑیت آ کادہ ہوتی تھی نہ عمر نے کی جا تھی۔ ہمارے زندگی میں یہ نیاشا خاصہ پیدا ہو گیا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد عجب میں بالآخر وہاں پہنچا تو می اور ڈیڈی برآمدے میں بیٹھتھے۔ صب عادت اقبال پاپے پی رہا تھا جپرے پر بڑی بٹاش مسکراہٹ تھی۔ ایک ٹانگ پرے دوسری ٹانگ دھرے اور پوالی ٹانگ بٹسٹو اترے ہائے جارا تھا۔ بھی کی کری سے چند کمپے ہرن اور چیل پڑتے تھے اور ان کے پیٹ کو ٹولنے سے بھرے ہوئے تھے۔ میں ایک پھٹا سارو والی لپٹاناک کریں میں مشغول تھیں۔

"ہمیوینگ میں ۔۔۔ کمال ہے ادھر کا چکر ہی نہیں رکاتے۔ تم اچھے دوست ہو ۔۔۔"

اقبال نے اپنی کری سے اچل کر کہا۔

تماری بھی نے پہلے تینیں آواز دی اور پھر رواں سے کہنی صاف کرتے ہوئے بولیں۔ ہم تو تمدے ہوئے آرہے تھے ہرنے کے۔ پھر اقبال کئے لکایہ ہرن اس کے کس کام کا۔ وہ تو ہو ٹھیں رہتا ہے۔

تم باہر آئیں تو میں نے خوس کیا کہ تمہارا چہرہ، سپاٹوی یمبوں کی طرح زرد ہو چکا تھا۔ مرخِ زین خیث بڑت اور یونیفارم کے باوجود تمہاری آنکھیں بابِ اللذب بن چکی ہیں۔ تم میں ایک ایسی بیاہی ہوئی عورت کا سروپ تھا جس کا شوہر لے پہلی رات ہی چھوڑ گیا ہو۔

زیری نہایت اعلیٰ کباب بناتی ہے آصف۔ انکل کو سلام کرو زری ڈار لگ۔

تم مقدوس کبوتر جیسا سفید ہاتھ اٹھا کر پیشنا کی ٹلف لے گئیں۔

بیر تو آپکو بہت یاد کر قی ہے آصف۔ ما جھی کل ہی کہہ رہی تھی اب تو انکل کبھی آتے ہی نہیں میں نے جواب دیا تمہارے ڈیشی پھولستان گئے ہیں۔ وہ بجلکس سے ملنے آئیں؟

میں نے تمہاری جانب دیکھا۔ تمہارے ہونٹوں میں ضبط کئے ہوئے سنزوں کی لپکپاہت تھی۔ آنکھوں میں بے صرفی اور اپنی کم فیضی کا گلہ تھا۔ ان آنکھوں میں ایک پوری داستان تھی۔ شر پوری میں کی تباہی کی داستان۔ میں نے اس کی عبرانی زبان بغاہ رسمختہ ہوئے کہا: ”زری تو ہم سے بولتی ہی نہیں۔ ہم کس سے ملنے آئیں جلا۔“

اپنے غلط جواب پر پیشان ہو کر میں نے فرآئی باقی کارخ پلٹ دیا۔ اچھا یہ بتاؤ کہاں کہاں شکار کرنے گئے؟

پہلے تو گئے بہاول پور۔ وہاں نواب صاحب کے مقربین میں سے ایک حضرت ساندھ تھے۔ جو اسماشی شکار کھیلا بالکل پہنچ آف ویز بن کر شکار کم اور ضیافتیں دیا دہ ہوئیں۔ پھر پہلے دن پورستان میں رہے۔ ونڈرفل۔ سمندر۔ پہاڑ۔ اور ریگستان یہ تینوں اللہ نے اس نے بنائے ہیں۔ کجب انسان زیادہ اڑکنے لگے تو انہیں دیکھ کر اپنے حص

امیلت کر پہچانے۔

"کافی پتیں گے آپ — "میں نے سوال کیا۔

اور میرے جواب کا انتظار کے بغیر زری کو آرڈر لگایا۔ "جاڑ زری۔ انکل کیسٹے کافی لاو۔

بجز اور دلیل زری بھی لانا۔"

اقبال اپنی زندگی میں بولتا گیا۔ "یار چوتھاں خوبصورت ہے۔ بہت ہی خوبصورت رخاں کر چاہنے میں۔ لیکن وہ سدر بن والی بات کہاں۔"

تماری میں نے گھرے فیروزی زنگ کا پلو کندھے پر گھسیت کر کہا: "تو ہر توہہ میں شکھیں یہ اس قدر خوش تھے آصف کہ کیا بتاؤ۔ صبح صبح آدمی درجن کیکے کھلتے۔ رات کو دوچار انناس۔ اور نشان کے وقت کچے ڈاپ۔ ان کا بس چنان کسی بھی وقت کو مغرب پاکستان رکتے۔"

"میری زندگی کے چار بہترین سال میں شکھ میں نہ سے ہیں۔ وہ شکار ہے وہاں یار۔

وہ شکار ہے کہ انسان شکار AFFORD ہی نہیں کر سکتا۔ کار توں ختم ہو جلتے ہیں لیکن زندگا ختم نہیں ہوتا۔ میلوں پھیلا بزرگ، جھیلیں۔ بگرے — کوئی بیوٹی ہے۔ کوئی دالڈ لائف ہے مانی گاڈ — ونڈرفل — ونڈرفل — لیکن یہ تماری بھابی بست بور ہوئیں درماں۔

تماری سانویں میں نے فوراً کہا — "تو ہر میرا تو زنگ سندھاگیا تھا وہاں۔ سال دوسرے ہوتی تو بالکل کالی ہو جاتی۔"

"میں تو ریاڑ پوکر دیں چلا جاؤں یا یا گھٹ میں کا بُجھ بناوں گایا چینڈر گونا میں جھوپڑی

ڈال لوں گا — میں شکhab SOHPISTICATED ہو چلے ہے۔

"چاہکاں بہتر ہے۔" میں بولیں — "ہم تو بھی چنچیوں میں آ جایا کریں گے۔" لکھیں بھی ہو۔ رہوں گاہ مشرقی پاکستان میں۔ یار آصف۔ اس تدریسادہ زندگی ہے ان لوگوں کی۔ ایسی سادہ زندگی کہ انسان عبرت کر دتے ہے۔ بر گھر کے آگے ایک پول بھی ہوتا ہے چھوٹا سا۔ سلام خاندان اس میں تین چار بار نہماں ہے۔ باختہ روکا خرچ صفر۔ بارہ روپے کی فرشت کھاس۔

و صونی آتی ہے — ایک پین لی ایک دھولی۔ پیر وہ میں کھڑا دیں۔ سونے کو سیل پائی۔
کھانے کو عپالی بھات۔ نہ انہیں کوئی کارکری چاہئے نہ تو الین در کارہیں نہ ایکٹر ک لگدہ زی سجن ان اللہ
کیا زندگی ہے۔ شیر کی طرح آزاد پھرتے ہیں بنوں میں:

”تو ہبہ میں بھی کیجئے۔ بہشت کا نمونہ ہی بنادیا مشرقی پاکستان کو۔“

”بس کیسے کر دن۔ جس نے ایک بارڈ اجھ پیلی اس نے سو مردی پی لیا۔ یا رآصف۔ کیا
لذت ہے کچھ ناریل میں۔ سجن ان اللہ۔ وندھ فل۔ کسی گئے ہو مشرقی پاکستان؟“
”جانما ہی رہتا ہوں۔“

”پھر کسی جگہ ہے۔“

”تفہیم کرنے کے نہایت اعلما ہے۔“

”بالکل ٹھیک۔ بالکل ٹھیک۔“ ”می چکی۔“

”تم لوگ جنت میں بھی صرف تفریح کھلئے جاؤ گے۔“ اقبال نے کہا۔

انتہے میں تم کافی لے کر آگئیں ما خود کی لکڑی کے بڑے بڑے میں۔ تم میرے پاس بیٹھو کر
کافی بنانے گئیں۔ جب بھی تمیری ٹاف زگاہ کر تیں تو جھوٹکلے کے سب بل نکل جاتے ہے مجھے مسلسل کہا
جوڑا نامشکل ہو جاتا۔ کوئی پھر مجھے اندر کھجرا بھی کر سکے جلد گھر جانا چاہئے لیکن اقبال ہر
قسم کے کارتوں، بندوقوں کی تسمیں، مچان اندھے کے طریقے جاوزوں لی، ششاد سنپنچ کی
گھاٹیں، آڑھی رات، پچھلے پھر اور دوپر کئے نہ کسے فوائد اور تصرفات پر میر حامل بحث کرتا رہا۔
یک طرف بحث جس میں میری خواستہ برداشت اور تمہاری می براہ صحبت شامل رہیں۔ تم کرنے میں
کتنا میں نہیں میں۔ لگو کئی بار تمہاری می نے تمہیں سو جلنے کو کہا لیکن تمہے سکی ان سی کرو۔
عجب بات ہے مجھے تمہارے ولی جذبات کا نہزاد ہو چکا تھا۔ پھر بھی میر لپٹا پک کھجرا باتا
کہ یہ بھری تو رستائی ہے۔ کبھی اس قدر پیار فی کوشش ہو سکتا ہے۔ یہ سب کچھوں کی جھٹل کھیں
ہے کہ بازی ارجمند پر سب کھلاڑی اپنے اپنے کپنے واپس لے کر سنی خوشی اپنے گھروں کو

لوٹ جائیں گے — مجھا نکل نہ انسان سے ایسی محبت — اور پر وہ بھی اتنی کم عرصہ
روکی کرے۔ توہہ توہہ!

اسی روز کے بعد میں نے دل ہی دل میں عمدہ کر دیا کہ جو کچھ بھی ہو گامیں تمارے گھر نہیں جاؤ
گا۔ لیکن ایک انشودہ نس کے سلسلے میں مجھے ایک لیے گھر جانا پڑا جماں میرے ہرم کو توٹنے والی
تمہاری بھی موجود تھیں۔ انہوں نے میرے عذر کو پس پشت ڈال دیا اور مجھے لپنے ساقوں پر گئیں۔
آزی بات جانوں نے کی اس کے بعد انکا کرکی گھنائش نہ لقی وہ بولیں: میرے پاس کھاڑی نہیں
ہے صرف مجھے گھر پہنچا آؤ اترنا نہ اترنا تما۔ یہ مرمنی —

اور جب وقت میں نے کار پور پچ میں کھڑی کی وہ فرسے اتھی اور اقبال کو فور اکٹھے چلی
گئیں۔ میرا رادہ اندر جانے کا نہیں تھا۔ میں صرف تماری بھی کو نکلا خدا حافظ کرنے کیجیے درک گیا۔
لان کے ایک گوشے میں ذمکن فوارہ سے بنی ہوئی رسیاں پڑی تھیں۔ میرا پر تماری کتا۔ میرا تین جن سے
ظاہر ہوتا تھا جیسے تم ابھی پڑھتے رکھتی ہو۔ میں وقت کئی کے طور پر ان کتابوں کو اٹ پٹ کر دکھنے
وگا۔ تماری انکوڑی کی لکھائی اچھی تھی نیلیں اردو کے حروف ناپنکتہ اور زیکا نکستہ۔ رف کا یہی میں ایک
معنوں بہار پڑ، ایک۔ نسٹی کی عرضی اور پھر تھے پسٹے پیروں کو اختصار سے لکھنے کی مشق تھی گئی
تھی۔ جابکہ میرا ناکھوڑا اس طرح پنکلے سے کامائیں تھا کہ ملشک پڑھا جاتا۔ میرا دل خوف سے لرز نے
وگا۔ آسان پر جیٹ طیارے زندگی سے گزرتے ہوں تو انکوڑی مزور کھڑکیاں دروازے اسی طرح رزا
کرتے ہیں۔ اسی کاپن کے آخری صفحے کو پنکل سے کاٹ کر سیاہ کیا ہوا تھا میرے دل نے
گوٹھاں کی لیکن جنتس نے حرف کو شاخت کئے بغیر نہ پھردا۔ صفحے کے ایک ورنے میں حروف
اوی اچھی طرح منائے نہ گئے تھے۔ اور پر میرا ناکھوڑا ہوا تھا۔ تیچے تمہارے نام کے انکوڑی میں بچے
کے گئے تھے۔ جو حروف دونوں ناموں میں موجود تھے اُسیں بعد ازاں کاٹ کر محبت اور غفرت کا پرستا
لگایا گیا تھا۔ اسی علی سے ظاہر ہوتا تھا میرے مجھے محبت اور بچے تم سے فرستے تھے تم نے یہ
نیجہ بدلتے کئے سارا صفحہ سیاہ کر دیا تھا — میں تھیں یا مجھا تما زردی کہ جب نصیب کا

ہارا دوب جاتا ہے تو کافی عل کام نہیں آتا۔ میں تمہیں کیا بتائی کہ محبت تو امر نہیں ہے۔ جس درخت پر یہ چڑھ جاتا ہے وہ پیر گھوڑ کھو جاتا ہے اور درخت ایک دن اپنی آپ گر جاتا ہے۔ میں تمہیں کیا سمجھتا تا کہ محبت کی امر نہیں میں کسی کس کے پھول نہیں لگتے۔ اس بیل میں تو ہمیشہ ہاتھی سفنت کے شکر کھلتے ہیں۔ پیشانی کے ارغوانی پھول۔ تاسف کے آسمانی پھول!

میں تم سے ملے بغیر قماری میں کوفون کرتا چھوڑ کر فوراً ہی چل دیا۔ کوئی گھنٹے ہوں کے ایک گز کا شدید کمرے میں کر دیں بنتے کے باوجود مجھے ٹھنڈے پینے کا تسلی ہے۔ کئے ہوئے حروف۔ ایں اور ای سے بھری ہوتی کوئی۔ ذرا سی برآمدے میں اہم ہوتی تو میں پچھلیں جاؤں کے طرح اختر بیٹھتا اور سست پر کان دھر کر سوچتا کہ میں یہ زردی نہ ہو۔ کہیں اس کے دماغ کی ڈھبریاں اس قدر ڈھیلی نہ پڑ گئی ہوں نہ دیاں تک آگئی ہو۔ پھر جی کو تسلی دیتا کہ اذل تو وہ ہی سے ہوں گا۔ رستہ نہیں جانتی ہو گی اور پھر اتنی چھوٹی عمر میں اتنی جرأت کہاں سے آ جائے گی۔ مجھے بھی ہالی دڑکا کوئی ایکر سمجھ کر محبت کرنے بیٹھ گئی ہے۔ چند روز ملیر یا بنگلہ یا صحرائی چھوٹے گی۔ پھر آپی آپ پنڈا ناریل پڑ جائے گا۔

اب میرے پھر پا عمد کر دیا تھا کہ قمار سے گھر کی تیمت پر بھی نہ جاؤں گا۔ اور تو اور میں یہاں تک ہو چکے لگا تھا کہ اپنی بندی کہ سب کے کراچی کروالوں تاکہ اس دھعبدھا سے جان پھرست جائے۔

اس شام میں ندا کرفہ نہیں سے نکلا تو مجھے برآمدے میں پھر یوں کے چھنڈ کے لی آزاد آئی پیڑی یوں رکا۔ کوئی نہ میرے کمرے کا کندھا کھونے کی کوشش کی ہو۔ میں نے کنڑ تیاں اٹھا کر پوچھا: ”کونز ہے؟“

ابھی میں قیعنی پنہنہ دیا تھا کہ تم دروازہ کھول کر اندر رہا کئیں۔ میں کفر زدہ زمین کے طرح سفید پڑ گیا۔ سینے پر وہی دو چوٹیاں اور پچھلیوں کے سردرل پر سرخ گردھل کے پھول، لٹھے کی سفید

سفید شلوار قمیش اور کندھوں پر سفید روپٹہ — اس اکب بات خلافِ معمول تھی۔ تمہارے دونوں ہاتھوں میں آجے کاں چوڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

"زری —، میلو بیبی! تم میاں کیسے؟"

لمحہ بچوں مجھے دہمہ رہا کہ تمہارے والدین تینچھے نفرتے ہوں اور انہوں نے محض مجھے چوڑنکا کی خاطر پہلے تمہیں نیچھے دیا ہو۔ میں اس دہمہ پر بھروسہ کر کے جلدی سے برآمدے تک گیا اور تینچھے جہاں نکلنے لگا۔ ایسے بھروسی زرد اور سیاہ لٹکی پچاہک سے نکل رہی تھی۔ لان — پورچھ اور پکی مردکی پچاہک سے والدین جیسا کوئی بھی شخص موجود نہ تھا۔ میں دُرتے دُرتے واپس آیا اور پہلی بار میں نے تمہارے چہرے کی طرف دیکھنے کی جوأتی کی۔ تمہاری آنکھیں زیادہ روشنی کے باعث مردھ بھی تھیں۔ ہونٹ اور ناک کی پھٹک لیاقتِ رنگ کی تھی اور تمہرے سے دو ماں کی لگدی بتا رہی تھیں۔

"کیا بات ہے زری! نمی ڈیڈی کہاں میں؟"

تم چپ چاپ کھڑدی رہو ماں کا گولا بننے میں معروف ہیں۔

"بات کیا ہے۔ کچھ بلوzanoں —" میں نے انگریزی میں سوال کیا۔

"میں اکیلی آئی ہوں جی —"

زن سے سارا ہوشی میرے پریوں تک سے نکل گیا۔

"کیوں — کیوں بنیے؟"

میں لفڑی بیٹھے کا تغلڈاں رہنے والے والدین سے جذباتی وجود کو مقید کرنا چاہتا تھا لیکن اس کا اثر اتنا ہوا۔

آنکھوں کی چاہ پھرے آنکھوں میں پیدا ہو گئی اور تم نے تھوں نکلتے ہوئے کہا — "آپ مجھ سے ناراض ہیں جی؟"

"نہیں نہیں نہیں — ہرگز نہیں — تو بہ۔ ہرگز نہیں — یہ خیال تمہیں کیسے آیا:

"کبھی انکل ناراض ہوتے ہیں؟"

بخاری میں ایک سے دزن کے آشون تمارے گالوں پر بنتے گے۔

"پھر جی آپ ہمارے گھر کیوں نہیں آتے؟"

"اؤں گا — بھی فرور آؤں گا۔ انشاء اللہ

تم نے رووال کا گینہ کھولا اور اسے ہنخوں پر رنگ کر دیں۔ "میں تو سمجھی تھی آپ کبھی
نہیں آئیں گے۔"

"چلو بے بنی — چلو عین تمیں گھر چوڑاؤں۔ کم آن ڈارنگ۔"

تم دو قدم پیچے ہٹ کر بولیں: "آپ مجھے ڈارنگ نہ کہا کریں۔ ڈیڈی کی طرح۔"

میں نے کارکی چابی میرز پر سے اٹھائی اور تکماد لججے میں بولا: "چلو گھر چلیں۔"

میں اکیلی چلی جاؤں گی — میری سیلی گیٹ پر کھو دی ہے میں اس کے ساتھ جاؤں گی۔

یکدم مجھے احساس ہوا کہ پہلی بار جسمگست جانے پر شاید تم دوبارہ سہ بارہ اور پھر تو اتر
کے بیان آئے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کر دیں تھا ہوش کے ایک نیپلر درمیں آما میرے
ان سفارقی مراسم کو تباہ کر سکتا تھا جو میرے تمارے خاندان سے تھے۔ میں تمیں بناک سے اپنے
آپ سے اور سب سے زیادہ تمارے اپنے نشانہ نظر کر دو کو بے کپا چاہتا تھا۔

"بے بنی اگر تم مجھ سے ایک دھدرہ کرو تو چھر میں تمارے گھر آؤں گا۔"

مجھے علم تھا کہ اس عمر میں دھدرے کا بڑا پاس ہوا کرتا ہے۔

"بھی؟ — فرور —!"

"تم پریل کسی بھی نہیں آؤ گی — کبھی نہیں۔ سمجھیں۔"

تم نے آنکھیں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ "کیوں بھی؟"

"اس رنے کر — کہ میں تمارا بیان آنے پڑنے نہیں کرتا۔ اس لئے کہ تمارے ڈیڈی کا گر

علم ہو گیا تو وہ بھی ناخوش ہوں گے۔"

تم نے لب کاٹا اور نشانہ میں جگلا لیں۔

ذیکھو زری۔ ابھی تم بہت چھوٹی ہو۔ ان باقتوں کو نہیں سمجھتیں۔ تہمیں میری بات ماننا بوجی ہے۔
”بجی مانوں گئی۔“

”قدھدھے ہے ناچھر؟“

تم نے اثبات میں سر بلا بایا اور اس غیر مشروط وعدے پر تمہارے بیوں نے ایک ملکی سیکھی
سے فدر رنگا دی۔

اس ولائقے کے بعد میں مینے میں ایک آٹھ بار تمہارے گھر بنانے لگا۔ میں کچھ اسی التزام سے
کہ تمہیں مجھ سے بات کرنے کا ایک ملکہ نہ ملتا۔ میں تمہارے سپخنے سے پسے اقبال روون کرتا اور اگر
وہ گھر پر موجود نہ ہوتا تو پھر میں اس گھر کا قصہ بھی نہ کرنا۔ جتنی دیر تک اقبال گھر پر پڑھتا رہیں بھی قیام
کرتا۔ اگر کسے کہیں جانا ہوتا تو میں بھی فوراً اٹھ جاتا۔ اس احتیاط کی کچھ وجہ تو تمہارا تحفظ ملتا اور کچھ
اس داخل خارج مقدار میں مدد رخ کا نزول بھی ہو جکا تھا اس لئے میں تمہارے قرب کا تھنی نہ ہو سکا۔
میرے لئے مدد رخ بڑی مخصوص صورت اور سب سر تک آتی ہوئی۔ اس سے ملاقات کے وقت
محبھی یہ علم نہ ہو سکا کہ وہ اس طرح میری عنان حکومت میں بحال کر میری خوشیوں کے را ہوا جپو اور ہو جائے
گی۔ مدد رخ کا اصلی نام اسقل الحضینا اور قلبی نام مدد رخ تھا۔ وہ ایک مشہور اخبار بیانیں ہو رہیں کام کھھتی
تھیں۔ اس کا ملم کے اور پر دوز مدد رخ کی تصویر پھیپتی تھی اور اسی تصویر کے باعث میں نے اسے پہنچانے
بھی لیا تھا۔ گل تصوری میں ہو خیرگی تھی وہ اس کی اصلی صورت میں موجود نہ تھی۔ پھر بھی مجھ پر اس صورت کا
اثر ہونا تھا ہم کر رہے۔

مدد رخ سے میری ملاقات شایماریں ہوئی تھی۔ اکابرین شر چین کے مدد یو شا زی کو ایک نظر
قریب سے دیکھنے کیلئے اسی بھی داری سے ٹوٹ رکھئے تھے کہ کارپارک کرنے کو جگہ ملنی تھی۔ عورتیں
پھر لوں کی پتیاں پلاٹک کے لفاؤں میں لے مڑنے کے کنارے مدد رخ کے لئے بھرپری کھوڑی تھیں۔ اس نسوانی دیوار
چیس میں جگہ بنا رکھنے کے بڑھنا قریب قریب ناٹکی تھا۔ میں بھی اپنے اپنے آگے لکھتا بڑھتا تھا کہ
میری نظر مدد رخ پر پہنچی۔ پہنچنے کی میں نے اس کا ملم نکال رکھا توں کو پہچان لیا۔ اسی کے ہاتھ میں

ایک بھی ڈاٹری اور پنل تھی۔ وہ اچک اچک کر بیقراری سے ادھر ادھر چکنگا رہی تھی۔ اسی بیقراری کے حالم میں وہ گھستی گھاسی لوگوں میں جگہ بناتی بجٹنک آپ تھی۔ اب اس سے نانک چندی اینٹوں کی روشنی تین فشکے فاصلے پر تھی اور وہ آسانی سے صدر یو شاؤپی کے درشک کر سکتی تھی میں نے قردن و سلطی کے جانبازوں کی طرح اس کیلئے بجھکھچوڑتے ہوئے پوچھا:

”محترمہ! آپ مرد رخ ہیں ناں؟“

”بھی۔“

”آپ خواتین کا صغری بھتی میں — میرا قیاس درستہ سے کیا؟“
دل میں وہ اپنی شہرت پر بہت خوش ہوتی لیکن بخاہر چوڑا کر بولی: — ”آپ کیوں پوچھتے میں؟“

”اس نے کہ اگر واقعی آپ مرد رخ ہی میں تو میں آپکی مد کروں گا۔ آپ کا کام بہت دلچسپ، ہوتا ہے اور اسے مرد زیادہ شوق سے پڑھتے ہیں:“

”مرد رخ کا نام سن کر چندرا کیوں نے پیٹ کر دیکھا۔ آپ میں نوٹس ملانے اور فصیر پسروں کرنے لگیں۔ میری تعریف کا خاطر فواہ اثر ہوا اور مرد رخ سے تنازع کی کیفیت جاتی رہی۔ وہ ہنس کر بولی — ”واقعی۔“

یہ ہنسنی میرے حق میں بڑی ناخاف ثابت ہوتی۔ میں نے ایک بھی داریں سارے ہتھیار دال دیئے اور دل کے تلے کی تماں چا بیان اُسے نہ کر دیں۔

”ادھر اجھیئے میرے سامنے یاں سے آپ بہتر دیکھ لکھیں گی:“

وہ مجھ سے چھاپنے آگے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اب اس کے باون کی گندھک آمیز خوبصورت بیقر آستینوں کی قیفیں سے اٹھنے والے جسم کی اگری بجھنک بداروں کو کی پہنچنے لگی۔ اس نے کوئی ہاتھ فراشی سینٹ استعمال کر دکھا لیکن اس سینٹ پر والف دلتے سے دستے ہوئے جسم کی خوبصورتی غالب تھی۔

وہ اصل بحث میں دفتر والوں کے ساتھ نہیں آئی ورنہ مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ وہ سامنے جو ادمی بیٹھا ہے تاں — وہ زنگیں پھر توں تھے — پر لوگوں کی طرف میں۔ وہ ہمارا سب اپنے پڑھتے ہے تکین میں اسے بلا نہیں چاہتے ۔ یہ بات اس نے یک رخی بھوک کی اور پھر ہی سے پہنچا ۔ اپنے بولی — اشجانے اگر طفرہ ملا تو پھر میں واپس گھر کیسے پہنچوں گی؟ اس کے آخری بھلے پر ذہن میں پلان بناتے ہوئے ہی نے کہا — ”میں سیف گارڈ انٹرنس کا زندگی میں بھر جاؤں۔ اصف تزویر ۔“

”میرا صلنامہ امثل الحصین ہے — سلام علیکم ۔“

”اگر آپکو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں آپکو گھر پہنچا آؤں گا۔“

میری شوخی چشمی کا جواب اس نے بڑی بے رُخی سے دیا۔ ”ہی نہیں۔ شکر یہ رہیاں ضرور کوئی نہ کوئی واقعہ مل جائے گا۔“

لیکن عجیب اتفاق ہے کہ مرد خواہ کو اس بھروسے مجھ میں ایک بھی واقعہ شکعنہ نہ ملا جو اسے گھر لے جاتا۔ اور بالآخر جب وہ شام کے نئے میری کار میں بیٹھی تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ میرے ساتھ دفتر تک جائے گی اور وہاں سے قصر ہی دیر بعد اکیلی میں پر چھوڑ لی جائے گی۔ میں نے کسی قسم کی جبت بازی نہ کی گیونکہ میرے لئے یہ بھی بارانِ رحمت سے کم نہ تھا۔

مرد خ بڑی چکدار گفتگو کرتی تھی۔ بخشال سے نکلے ہوئے چکدار سکون کی طرح۔ اسی گفتگو میں دلاؤرہ مسکراہٹوں اور لفڑی وار قوموں کی چیزیں لگا کر وہ نہضتی مضمون کو بڑا معنی اور لچک پنا دیتی تھی۔ حالانکہ تو اس کی تحریر میں ذاتِ شخصی اور نہ ہی اس کی کھوپڑی میں فطرت نے محول سے زیادہ مغز بھرا تھا۔ ایک عام سی سادہ لڑکی بھوسن اتفاق سے کالم لکھنے پر ماورہ بھوکی تھی۔ اس کا لامکھنے نے اس کی شخصیت میں ایک قسم کا وقار پیدا کر دیا تھا جیسے کوئی چھوٹے نندکی محنت اپنے لی وہ بھی کرنے میں، گفتگو کا دھارا موٹنے میں، برجستہ جواب کا لمحنی پن کی دلیں بنانے اور خواتین کی مالیوں

پر سیر حاصل بحث کرنے کے قابل ہو گئی تھی۔ عورتوں کے مسائل کی دکالات کرتے ہوئے اس کی نظر میں مردوں کی ذات بالکل بے وقت ہو کر رہ جاتی۔ جب وہ باقیں کرتی تو اس کی باقیوں میں تنہ صاری انار کا کھٹا میٹھا مازہ اور رنگ ہوتا۔ عجیب سی بات ہے کہ سارے دنیت میں اسی گھستگار کا کوئی شیدائی نہ تھا اور سب اسے ایک PUSHING رکھی تھیتے۔

مرد خ سے ملاقات ہونے کے بعد میں بڑے تو اترے تمارے گھر جانے لگا۔ تم کو دیکھ کر اب مجھ پر مراتی گیفت طاری نہ ہو تھی۔ میں تم سے تمارے جذبے سے خوفزدہ نہ رہا۔ میں نے اپنے جلد حقوق مرد خ کے نام گفتوں کے لپٹے آپکو نظر میں پہنچنے کا اشتمام لکھا یا تھا۔ تمارے دنے شاید یہی بہت تفاکر میں نے تمارے گھر کو را د تو رکھا۔ کیونکہ نہ تو تم نے مجھے سمجھی بلانے کی کوشش کی اور نہ کبھی مجھے اکیدا پا کر میرے پاس بھی آئیں۔ بس مجھے دیکھ کر تم میں اتنی بندی یا آتی کہ تمara چہوڑ دکھنے لگتا۔ جیسے سرٹام برف آؤ د چوٹیوں پر شفوق کی روشنی پڑ رہی ہو۔ کافی نے گلداں میں مرد گلابوں کا عکس پڑا۔ ہر جیسے کوئی بچہ، سنتی میں مارچ جلا کر اپنی انگلیوں کی نارنجی روشنی دیکھنے لگے۔ تماری ہسپانوی نیبوں ہی جلد پڑائی سرفی کا عود کر آئنا بذات خود ایک بہت بڑی علامت تھی لیکن میرے لئے یہ علامت اپنا مطلب سمجھ کچی تھی۔

مرد خ سے شایمار میں ملنے کے بعد مجھے محسوس ہوا۔ اتنا برس اتنے قرن میں ایک تیر کی ماندگار تمارا ہوں۔ ایک ایسا تیر جس کا ہدف نہ گیا ہو۔ میری ساری زندگی ایسا ایجادی تھی۔ شور و غنا پر — بہت ساری عورتیں میری زندگی میں ہمذر کے جھاک کی طرح آئیں اور چل گئیں۔ مجھے ان کا رشتہ سلیٰ تھا۔ ان عورتوں کی محبت میں جانبی کی کوئی ذمہ داری نہ تھی۔ نہ زہنی نہ جسمانی۔ وہ مجھے اور میں انہیں کھیل کو دے کر شریک سمجھو کر علیحدہ ہوئے تھے۔ کی سے بھی بچھڑ کر مجھے پاماںی، مکمل خست حالی کا دورہ نہ پڑا تھا۔ نہ میں نے کبھی شیو بڑھانی نہ خواہ اور گریان کھائیں اور نہ سمجھی دل بندنے کے شر پھوڑا۔ لیکن جونہی مرد خ کا سے اتری مجھے یوں محسوس ہوا۔ اب میں زندہ نہ بچوں گا۔ اسکی دل پر کندہ ہو گئی تھی۔ اس کی آواز اس کے قسم تھے، اس کی دل کو تھامنے بیٹھنے تھی ورنہ میں تو

شاید اسی روز کچکر بیٹھتا۔ پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ دے کے مرلیں کی طرح میرا سانس اکھر مڑ رہے، میری تائگیں کمزور پڑ چکی ہیں اور میں — وہ را جو اب تک خدا مجھ میں حضرت میلے جسی امساری — کچھ سے بسی مختجت جانی — فاختہ۔ بسی نا عاقبت اندریشی اور زبانے کیا کیا خاصیتیں پیدا ہوئی جا رہی ہیں۔ میں ان چند گھنٹوں میں بہت زیادہ بڑھ گیا تھا یا بہت زیاد حصہ گھٹ گیا تھا۔ کوئی ایسی قوت تھی جو میرے ماحصلہ کو بڑھ سے مٹا رہی تھی جو میرے مستقبل کو تسلیم دیجئے بغیر جسی گروہ میں میرے حال کا نقشِ معنوں تیار کر رہی تھی۔ میں ساری رات جاگت رہا۔ میں نے کٹی درجن سکر میں پونک ڈالیں کہ باہم سری گلکھ۔ اندر لیٹا۔ پھر بڑھ رکھ کر باہر نکلا۔ مسحری اور پرچم جانی اور پھر نہ رکلا۔ کوئی صاحبِ عصا ایسا تھا جو اونگھ سے جگاتا اور مرد رخ کے خیالوں میں غلطان کر دیتا۔ میں بے خواب آنکھیں، بوجھل مرا دراڑا اڑا سا چھوٹے دوسرے دن مرد رخ کے دفتر پہنچا دوہ ہاتھ میں پہل اور دوسری لئے ایک عینک پوش اُدکی سے چتر چتر باتیں کر رہی تھی۔ اس نے میرا رقی بھر نوش رہیا۔

”مجھے آپ سے کچھ کام تھا۔“

مرد رخ نے مجھے پہنچانے سے قطعی ہو رپا انکار کرتے ہوئے کہا: ”فریلیئے:“

”آپ نے مجھے پہنچانا نہیں:“

”جی نہیں۔ میں نے پہنچان یا ہے۔ آپ سیف گارڈ انٹرنسیکمپنی کے زوفل میخبر رہیں۔ تیزیر اصف صاحب — فرمائیے!“

عینک دلے شنک کی باہمیں خواہ مخواہ محل لیں اور وہ بڑے احلاق سے باقہ بڑھاتے ہوئے بول — ”ظفر — میں یہاں فلو راز ہوں۔“

تو یہ غفرخا۔ منہنی سافرو ڈگرافر۔ پھر تویی فریسی دار ہی لو رات مانی چست ٹیڈی پکلن میں بلوں ظفر! — اس کے چڑے پر کسی قسم کی ظفر مندی کے انگار نہ تھے بلکہ یوں بگنا خاچیے وہ عادتاً یا مصلحتی بھر کا رہنے کی عادی ہو۔

میں نے اس سے بڑی گرجوشی سے اتفاہ لایا۔ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ ”میں نے از را تو نکلت کیا۔

بہت جلد آپ نے یہ بات کہ دی ہے — ”فوجہ کافرنے انگریزی میں کہا۔ یہ بات مرد خ کے تقدیر کا باعث ہوئی۔ میرے منہ پرستا لام پڑ گیا۔ مرد خ دیر تک ہنستی رہی اور وہ نیم مسزہ، نیم فلا سفر، دبادپتا ما تھا ہاتھ پنچی پر پسکون کی طرح مانگیں ہلانا اندر چلا گیا۔

”فرمائیے — ”کچھ دیر کے بعد مرد خ نے میری جبری۔

میں ذاتی طور پر کسی کو انشورنس کے لئے نہ کہتا تھا۔ یہ کام میرے فراغن میں شامل نہیں۔ لیکن اس وقت مرد خ سے اس سے بہتر تقریب ملاقات کا بہانہ بھی فونڈ تھا۔ میں نے کار و باری لجھ میں کہا: ”میں حاضر ہوا تھا کہ آپ سے انشورنس کے لئے کوئی رسیف گارڈ انشورنس کپنی کم سے کم پر پیشہ پر زیادہ سے زیادہ رو پیشہ ادا کرتی ہے:

مرد خ کچھ بیش میں آگئی۔ پیدا ہی وارا رچا پڑا — ”اسی لئے تو میں انشورنس والوں سے لگھاتی ہوں۔ ذرا سی ملاقات بھی ہو تو فوراً انشور ہونے کو کہیں گے۔

عجیب سی بات اسی لمحے ہوئی۔ جوئی اسے غصہ آیا میری ہمت عود کرائی۔ لیکن یہ ان سالوں کی بیاضت اور سبک کا نتیجہ تھا جب میں لوگوں کو انشور کرنے لگا رہتا تھا — وہ بھی شیفون ڈاگر کری میں سے ایڈریس دیکھ کر۔ اب مجھے حالات کے خاطر خواہ ہونے کا احساس ہونے لگا۔

”ہماری کمپنی عورتوں کی انشورنس نہیں کرتی۔ لیکن میں آپ کو بہت اچھی تر مزہ پر انشورنس دوں گا۔ پر پیشہ بھی کم دینا ہو گا اور — ”

”لیکن میں انشورنس کروں اچھی ہوں — تینیں لے۔“

اب مجھے جست بازی میں مزہ کرنے لگا۔

”لیکن فی زمانہ انسان جتنی بھی انشورنس کروائی کہ ہے۔ ذندگی بہت

بڑھ چکی ہیں مس مرد خ!

آصف صاحب۔ میں ایک ذیلی اخبار میں کام کرتی ہوں۔ میرا وقت بہت قصیتی ہے ملیز...،

محترمہ مرد خ صاحبہ! اسی نئے تو میں کہتا ہوں کہ ایسے تیسی وقت اور ایسی گرانٹا یہ تنقیت

کے تختنڈکی اشد ضرورت ہے:

جوں ہوں اسے غصہ چڑھ رہا تھا میری گزوری میں کمی واقع ہو رہی تھی۔ میں بھوتا جاننا شکاریں
اچانک اس رٹکی کے عشق میں گرفتار ہو چکا ہوں۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میرانا اصل الحینیظ ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس وقت مجھے اسلام یہ

کا لکھ جانہ ہے ایک مشاعرے پر — معاف کیجئے:

یہ جلد بول کر اس نے بڑے طلاق سے اپنا بڑا سایگ اٹھایا۔ اس میں ڈاٹری اور نیل ڈالی

اور بیگ جھنڈی دفتر کی نارت سے باہر نکل گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ سبعاً تھے کل طرح میں سڑک

تک پہلا کیا۔ نہ اس وقت مجھے یہ خیال تھا کہ شاید وہ دل ہی دل میں مجھے بے جای بھروسہ ہی ہے نہ ہی اس

بات کا خدشہ تھا کہ شاید میرا غلط رویہ ہمیشہ کے لئے اسے مجھ سے بدنگی کر سکتا ہے۔ لبیں ایک لگن

تھی ایک لکھ تھی اسے زیادہ سے زیادہ وقت تک دیکھنے کی۔ اس کے قریب رہنے کی

دفتر کی سرپر صیباں اترتے وقت اس نے چپ اسکے پہ چا — "لفڑ صاحب کماں پڑے

گے؟"

چپ اسی نسپتے اندر نظر دوڑائی۔ چھپ سائیکلوں والے چھپ کے قریب گیا اور در در سے آتے

ہوئے بولا: "جاتا۔ وہ ابھی یونیورسٹی کیسپس گئے ہیں۔"

مرد خ بھجنڈا تی بونی سڑک پر آگئی۔ حسن اتفاق سے سڑک سمنان پڑی تھی۔ دو کشمکش گزرے

و دونوں میں سواریاں لدی تھیں۔ مرد خ بار بار اپنی گھرڑی دیکھ رہی تھی۔

"میری کار حاضر ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ ساری راہ ایک بار بھی اپ کو ان شور نہ کیجئے سنہ

کوں گا — وعدہ — !"